15

ساری دنیا کے کناروں سے آواز آ رہی ہے آدمی، آدمی، آدمی بھیجو

(فرمودہ 3 مئی 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہمارا ایک مبلغ امریکہ پہنچ چکا ہے۔ سرِ دست اُس کا پاسپورٹ صرف تعلیم کے لئے ہے یعنی اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وہاں یونیورسٹی میں داخل ہو اور اپنی پڑھائی جاری رکھے۔ اس لئے تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد سوائے خاص صورتوں کے اُسے گورنمنٹ کے قاعدہ کے مطابق ہندوستان واپس آنا پڑے گا۔ لیکن ہم نے اس امید کے ماتحت انہیں وہاں بھجوا دیا تھا کہ جب جنگ کا زور کم ہو گا تو ہم بعض اَور مبلغ امریکہ بھجوا دیں گے اور اگر اس مبلغ کو اجازت نہ بھی دی گئی تب بھی واپس آ کر وہ دوبارہ امریکہ میں داخلہ کی کوشش کر سکتا ہے۔ اب ایک اَور مبلغ کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈالر ایکسچینج کی منظوری حاصل ہو گئی ہے اور وہ ویزا کے متعلق کوشش کرنے گئے ہیں۔ اگر امریکن گورنمنٹ نے انہیں ویزا دے دیا تو قریب ترین عرصہ میں وہ بھی وہاں پہنچ سکیں گے۔

امریکہ کا ملک اتنا وسیع ہے کہ وہ ہندوستان سے قریباً دو گنا ملک ہے۔ ہندوستان کا رقبہ تیس لاکھ مربع میل ہے اور امریکہ کا رقبہ پچاس لاکھ مربع میل سے بھی اوپر ہے۔ اتنے وسیع رقبہ میں اور ایسے لوگوں میں جو رات اور دن دُنیوی کاموں میں مشغول رہتے ہیں، تبلیغ کرنا

کوئی آسان کام نہیں۔ ہمارا مشن اِس وقت صرف شکاگو میں ہے اور شکاگو امریکہ کے شمال میں واقع ہے۔ گویا امریکہ میں ہماری تبلیغ کی مثال کو یوں سمجھنا چاہئے جیسے ہندوستان میں کوئی مشن کشمیر میں کھول دیا جائے یا شملہ میں کھول دیا جائے اور امریکہ اور انگلستان میں یہ رپورٹیں شائع ہوں کہ ہندوستان کا مشن یوں کام کر رہا ہے۔ اب بظاہر وہاں کا ہر شخص یہ سمجھے گا کہ یہ مشن کراچی میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، حیدر آباد سندھ میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، ملتان میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، لاہور میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، پشاور میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، دہلی میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، الٰہ آباد میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، لکھنؤ میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، بنارس میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، کلکتہ میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، ڈھاکہ میں بھی تبلیغ کر رہا ہے، شیلانگ 1 میں بھی تبلیغ کر رہا ہے۔ اسی طرح اُڑیسہ اور مدراس اور بمبئی وغیرہ سب جگہ تبلیغ کر رہا ہے حالانکہ باقی سب علاقوں کو یہ پتہ بھی نہیں ہوگا کہ کوئی مشن ہندوستان میں کام کر رہا ہے کیونکہ کہاں کشمیر اور کہاں مدراس اور پشاور اور کلکتہ اور کراچی اور ملتان اور ڈھاکہ وغیرہ۔ مگر چونکہ رپورٹوں میں ہندوستان کے مشن کا نام شائع ہوگا لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ مشن ہندوستان میں بڑا بھاری کام کر رہا ہے۔ یہی حال بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک حال امریکہ کی تبلیغ کا ہے۔ ہماری جماعت کے لوگ جب سنتے ہیں کہ ہمارا ایک مشن یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں کام کر رہا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اس ایک مشن کے ذریعہ سارے امریکہ میں ہماری آواز پہنچ رہی ہے اور اب اس کا فتح کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے حالانکہ ہمارا مشن شمال کے ایک شہر شکاگو میں ہے جو مشرقی اور مغربی ممالک سے ایک ایک ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اور جنوبی ممالک سے دو ہزار میل کے فاصلہ پر ہے۔ جیسے برما کے مشن کا پنجاب پر یا بمبئی پر یا مدراس پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا اسی طرح شکاگو کے مشن کا مشرقی اور مغربی اور جنوبی ممالک پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ صرف ارد گرد کے تین چار سو میل کے حلقہ میں ہمارے مبلغ کو جب فرصت ملے تو وہ چلا جاتا ہے۔ اور یہ فرصت بھی درحقیقت مصنوعی فرصت ہوتی ہے ورنہ اگر لاہور کے مبلغ کو اپنے علاقہ کے لئے فرصت نہیں مل سکتی جس کی آبادی شکاگو سے چھٹا حصہ کم ہے اور جس کی شہرت اور اہمیت شکاگو کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی نہیں تو شکاگو کے مشنری کو ارد گرد کے علاقوں کے لئے کہاں

فرصت مل سکتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ شکاگو کے مشنری کو اس محلہ سے باہر نکلنے کے لئے ہی کہاں وقت مل سکتا ہے۔ جس میں وہ رہتا ہے۔ شکاگو کی آبادی پچاس لاکھ سے اوپر ہے۔ گویا جتنی آبادی صوبہ سرحد کی ہے اس سے کہیں زیادہ صرف ایک شہر شکاگو کی آبادی ہے اور جتنی آبادی سارے صوبہ سندھ کی ہے اس کے قریب قریب اس کی آبادی ہے۔ صوبہ سندھ کی آبادی ساٹھ لاکھ ہے اور صوبہ سرحد کی آبادی چھتّیس لاکھ۔ گویا سندھ کی آبادی کے قریباً برابر اور صوبہ سرحد کی آبادی سے قریباً ڈیوڑھی امریکہ کے صرف ایک شہر شکاگو کی آبادی ہے۔ پس وہ شہر، شہر نہیں بلکہ درحقیقت ایک ملک ہے اور ایک ملک میں کبھی بھی ایک مبلغ کافی نہیں ہو سکتا۔ کُجا یہ کہ لوگ یہ کہیں کہ جب ہم نے صوبہ سرحد میں ایک مبلغ رکھا ہوا ہے تو کیا وہ عرب اور ایران اور افغانستان کی خبر نہیں رکھ سکتا۔ جس طرح وہ بیوقوفی کا فقرہ ہو گا اسی طرح یہ بھی ایک احمقانہ خیال ہے کہ جب ہم نے شکاگو میں ایک مبلغ رکھا ہوا ہے تو کیا وہ سارے امریکہ کی خبر نہیں رکھ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی اَور علاقہ کا تو ذکر ہی کیا ہے ہمارا ایک مبلغ صرف شکاگو کے دسویں حصہ کی بھی خبر نہیں رکھ سکتا۔ ایک مبلغ اگر صحیح طور پر کام کرے اور محنت اور دیانتداری کے ساتھ اپنے وقت کا استعمال کرے تو وہ صرف تین چار لاکھ کی آبادی کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے لیکن جو پچاس ساٹھ لاکھ کی آبادی کا شہر ہو اس میں ایک مبلغ نہیں بلکہ چودہ پندرہ مبلغ ہونے چاہئیں۔ تب اس میں ہلچل پیدا ہو سکتی ہے۔ اور جب کسی ایک مبلغ کے ذریعہ ایک شہر میں بھی آواز نہیں پہنچ سکتی تو وہ علاقے جو پندرہ پندرہ سو یا دو دو ہزار یا اڑھائی اڑھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ہیں اُن تک ہماری آواز کہاں پہنچ سکتی ہے اور ان کو یہ پتہ بھی کس طرح لگ سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں اسلام کا کوئی مبلغ رہتا ہے۔

ہماری تبلیغ کی مثال تو وہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی مچھر ایک بیل کے سینگ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بیل سے کہنے لگا۔ بھائی بیل! مَیں بھی حیوان ہوں اور تم بھی حیوان۔ ہماری اور تمہاری آپس میں برادری ہے۔ یہ آدمی ہم پر بھی ظلم کرتے ہیں اور تم پر بھی۔ ہمیں بھی مارتے ہیں اور تمہیں بھی۔ اس لئے ہمارا اور تمہارا تو جوڑ ہے لیکن ان کا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں۔ مَیں اس وقت تھک کر تمہارے سینگ پر بیٹھ گیا تھا۔ اگر تمہیں بوجھ معلوم ہو

تو بتا دینا مَیں اُڑ جاؤں گا۔ بیل نے اسے کہا مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ تم میرے سینگ پر بیٹھے کب تھے۔ یہی حال وہاں کی تبلیغ کا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے لوگوں سے کہیں کہ بتاؤ ہماری تبلیغ کا وہاں کتنا زور ہے؟ تو وہ جائز اور صحیح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ کا کوئی مبلغ ہمارے ہاں کام کر رہا ہے۔ آخر دو ہزار میل کا فاصلہ کوئی معمولی فاصلہ نہیں ہوتا۔ یہاں سے دو ہزار میل کے فاصلہ پر مکہ مکرمہ ہے۔ مگر کیا اس جگہ کے کسی مولوی کا ہمیں پتہ لگ سکتا ہے حالانکہ مکہ مکرمہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں حج کے لئے اکثر لوگ آتے جاتے ہیں۔ لیکن شکاگو کی طرف تو کسی کا جانا ضروری نہیں۔ وہ حج کا مقام نہیں ہے کہ امریکہ کے لوگ وہاں اکثر آتے جاتے ہوں۔ ایسی صورت میں بہر حال ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم پے در پے اپنے علماء اور مبلغین کو امریکہ میں بھجوائیں اور تبلیغ کو صحیح پیمانہ پر وسیع کریں۔ فِی الْحال میری سکیم کے مطابق تین آدمی امریکہ کے لئے مقرر ہو چکے ہیں۔ ایک دوست پہنچ چکے ہیں، ایک دوست کا پاسپورٹ مکمل ہو چکا ہے لیکن امریکن گورنمنٹ کا ویزا ابھی نہیں ملا☆ اور جب تک ویزا نہ ملے اس وقت تک اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اور ایک کا پاسپورٹ ابھی تیار ہونے والا ہے۔ لیکن یہ تینوں مبلغ اگر وہاں پہنچ بھی جائیں تب بھی اس شہر کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ ہمیں امریکہ جیسے ملک کے لئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہو گی لیکن کم سے کم مشن جن کا میرے نزدیک امریکہ میں قائم کرنا نہایت ضروری ہے نو ہیں۔ امریکہ کا مغربی ساحل قریباً دو ہزار میل لمبا ہے۔ اس ساحل پر ہمیں تین مرکز قام کرنے چاہئیں۔ ایک مرکز شمال میں ہو، ایک مرکز وسط میں اور ایک مرکز جنوب میں۔ اسی طرح مشرق میں ہمارا ایک مرکز شمال میں ہو، ایک مرکز وسط میں ہو اور ایک جنوب میں۔ وسطی امریکہ کے شمالی حصہ میں شکاگو میں ہمارا پہلے سے مرکز ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہمیں اس علاقہ میں بھی دو اَور مرکز قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک مرکز وسطی وسط میں ہو اور ایک مرکز وسطی جنوب میں۔ اگر ہم امریکہ میں نو مرکز قائم کر دیں تب ہمارے یہ تبلیغی مراکز ایسے ہوں گے جو ایک ایک ہزار میل کے فاصلہ پر آسکیں گے یا دونوں جہات کو مدنظر رکھتے ہوئے پانچ پانچ سو میل کے فاصلہ پر آسکیں گے

☆خطبہ کے بعد معلوم ہوا کہ ویزا مل چکا ہے۔

اور ایسی صورت ہو جائے گی جیسے ہمارا ایک مشنری ملتان میں ہو اور ایک دہلی میں۔ ملتان اور دہلی میں جو فاصلہ ہے ویسا ہی فاصلہ ان نو مشنوں میں ہو گا جو امریکہ میں قائم کئے جائیں گے لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تمام مشن قائم کر دیئے جائیں۔ اگر امریکہ میں ہمارے نو مشن ہوں اور ہر مشن میں چھ مشنری کام کر رہے ہوں تو چوّن مشنریوں کی ہمیں صرف امریکہ کے لئے ضرورت ہو گی۔ اگر اس طرح ہم اپنے مشن وہاں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری آواز کا امریکہ میں پہنچ جانا ممکن ہو سکتا ہے۔ گو یقینی پھر بھی نہیں ہو گا کیونکہ کروڑوں کی آبادی ہے۔ لیکن بہر حال اگر سامان اور ذرائع ہمیں میسر آ جائیں تو ہم اپنی آواز ان نو مشنوں کے ذریعہ سے تمام امریکہ تک پہنچا سکتے ہیں لیکن یہ صرف ایک ملک کا معاملہ ہے۔ اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک ملک کی تبلیغ کے لئے بھی پورے سامان نہیں۔

مَیں نے متواتر اور مسلسل جماعت کو ان امور کی طرف توجہ دلائی ہے مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک جماعت کے ایک طبقہ میں اپنی ذمہ داری کو سمجھنے کا پورا احساس پیدا نہیں ہوا۔ اس وقت یہاں (مسجد اقصیٰ میں) چار ہزار سے اوپر احمدی موجود ہیں۔ اگر چار ہزار احمدی مردوں میں ہی بیداری پیدا ہو جائے تو کیا یہ چار ہزار احمدی یہ سامان مہیا نہیں کر سکتے؟ اسی طرح قادیان میں اِس وقت تین ہزار سے اوپر مرد عورت طالب علم موجود ہیں۔ اگر تین ہزار طالب علموں کے اندر ہی دین کی خدمت کا احساس پیدا ہو جائے اور وہ دنیا کی خواہشوں اور کششوں کو نظر انداز کر دیں تو کیا چند سالوں کے اندر اندر یہ تین ہزار طالب علم ہی ہمارے لئے مبلغوں کی ایک معقول تعداد بہم نہیں پہنچا سکتے؟ یقیناً مہیا کر سکتے ہیں لیکن چار مشکلات ہیں جو اس راستہ میں حائل ہیں۔

اول: طالب علم خود ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جس میں دنیا کا غلبہ اور دنیا طلبی کا مرض بہت وسیع ہو گیا ہے۔

دوم: اساتذہ میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو ان کو ورغلاتا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ تبلیغ کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بعد میں ملازمت اختیار کر کے تبلیغ کے

لئے چندہ دیتے رہنا یہی بڑا کام ہے۔ یہ دوسرا شیطان ہوا۔

تیسرا: شیطان باپ ہوتا ہے جو اپنے بچے سے کہتا ہے کہ دیکھو میاں! مَیں نے تمہیں اِتنا عرصہ تعلیم دلائی ہے اب میرے لئے گزارہ کی کوئی صورت نہیں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کماؤ اور میرے گزارہ کا بندوبست کرو۔

چوتھی: شیطان ماں ہوتی ہے۔ جس وقت وہ تمام شیطانوں کو مار کر یہ سمجھتا ہے کہ مَیں ہر قسم کے شیطانی جال سے آزاد ہو گیا ہوں اُس وقت ماں کے آنسو اس کو پھر اسی شیطان کی بغل میں بٹھا دیتے ہیں۔ جب وہ روتے ہوئے کہتی ہے کہ بیٹا میں کیا کروں گی تو ماں کی مَیں اس کی ساری انانیت اور جرأت اور بہادری کو کچل کر رکھ دیتی ہے۔ مگر باوجود ان چار شیطانوں کے بہت سے نوجوان ہیں جو ان کے پھندوں سے آزاد ہو کر خدا تعالیٰ کی فوج میں شامل ہو گئے ہیں اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو جماعت کی بنیاد قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

مجھے حیرت آتی ہے جب میں کورل آئی لینڈز (Coral Islands) کی حقیقت پر غور کرتا ہوں۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ کورل آئی لینڈز کیڑوں کی موت کے نتیجہ میں تیار ہوئے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کیڑا مرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ ایک جزیرہ بن جاتا ہے جس میں انسان بود و باش اختیار کرتا ہے۔ اگر ایک کیڑے میں یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ مَیں مر کر دنیا میں کوئی کام کر جاؤں اور اپنے وجود سے ایک ایسی بنیاد قائم کر دوں جو سینکڑوں سال تک لوگوں کے کام آتی چلی جائے تو کیسا ذلیل اور ناپاک وہ انسان ہے جو یہ خواہش نہیں رکھتا کہ مَیں اگر مرتا ہوں تو بے شک مر جاؤں لیکن مَیں ایک ایسی بنیاد قائم کر جاؤں جو اس زندگی سے ہزاروں درجے بہتر ہے جو بیکاری میں بسر ہوتی ہے، یا بے دینی اور عیاشی میں گزر جاتی ہے۔ کیسا شاندار وہ فقرہ ہے جو ہندوستان کے ایک مسلمان بادشاہ کے منہ سے نکلا۔ مَیں سمجھتا ہوں سترھویں صدی کے آخری حصہ اور اٹھارھویں صدی کے ابتدائی حصہ میں ہندوستان کے تمام مسلمان بادشاہوں میں سے صرف وہی ایک بادشاہ تھا جو غیرت مند تھا۔ باقی سارے مسلمان بادشاہ (خواہ مسلمان لیڈر اور مسلمان اخبارات مجھے کتنا ہی بُرا بھلا کہیں) ایسے ہی تھے جنہوں نے موقع پر غداری اور بے غیرتی کا مظاہرہ کیا۔ خواہ وہ

دہلی کے بادشاہ تھے یا حیدر آباد کے بادشاہ تھے یا اودھ کے بادشاہ تھے یا بنگال اور ارکاٹ 2 کے بادشاہ تھے۔ وہ سارے کے سارے بے غیرتی اور بے دینی کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔ اگر کسی شخص نے غیرت کا صحیح مظاہرہ کیا تو وہ وہی شخص تھا جس کے نام پر مسلمان اپنی بدبختی سے کُتّوں کا نام رکھتے ہیں یعنی سلطان ٹیپو۔ مجھے اس وقت یاد نہیں کہ اس کا نام کیا تھا شاید حیدر الدین یا اس سے ملتا جلتا لیکن بہر حال اس کے نام کے ساتھ ٹیپو کا لفظ ایسے طور پر مشہور ہے جیسے پنجابی میں اَلّ کہتے ہیں اور جو عوام الناس میں نام کے حصہ کے طور پر مشہور ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے اس زمانہ میں ٹیپو کے کوئی معنے بھی ہوں لیکن اب ہمارے ملک میں کتّوں کا نام ٹیپو رکھا جاتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ ایک مسلمان بادشاہ کی ہتک کر رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة و السلام پر لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ آپ عیسائیوں کے خوشامدی تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی عظمت نَعُوْذُ بِاللّٰہ آپ کے دل میں نہیں تھی۔ یہ الگ سوال ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے مامور تھے اور آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت قائم کرنے کے لئے وہ کچھ کیا جو گزشتہ تیرہ سو سال میں اور کسی مسلمان نے نہیں کیا۔ لیکن مَیں اس وقت دنیوی حُبِّ وطنی اور حُبِّ قومیت کے لحاظ سے آپ کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ مجھے یاد ہے جب مَیں چھوٹا تھا تو چونکہ عام طور پر مَیں یہی سنتا تھا کہ لوگ اپنے کُتّوں کو ٹیپو ٹیپو کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس لئے مَیں سمجھتا تھا کہ ٹیپو کُتّے کا ہی نام ہوتا ہے۔ ایک دن ایک کُتّا میرے سامنے آیا۔ مَیں نے اپنی انگلی آگے کی اور کہا ٹیپو ٹیپو ٹیپو ٹیپو۔ میری زبان سے یہ الفاظ ابھی نکلے ہی تھے کہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑے غصہ سے یہ آواز آئی کہ کیا کرتے ہو؟ تمہیں شرم نہیں آتی۔ ایک مسلمان بادشاہ کا نام ایک کتّے کو دیتے ہو۔ اس دن مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ ٹیپو کسی مسلمان بادشاہ کا نام ہے۔ بعد میں سکولوں میں تاریخ پڑھی تو حقیقت واضح ہوئی اور پتہ لگا کہ وہ کون تھا۔ جب ٹیپو انگریزوں سے لڑ رہا تھا، جب ٹیپو ہندوستان کے تمام مسلمان بادشاہوں سے اپنی مدد کے لئے خط و کتابت کر رہا تھا، جب ہندوستان کے مسلمان بادشاہ چھوڑ، وہ ہندوستان کے باہر کے مسلمان اور غیر مسلم بادشاہوں سے بھی خط و کتابت کر رہا تھا۔ چنانچہ نپولین سے بھی وہ خط و کتابت کر رہا تھا، اسی طرح ایران کے بادشاہ اور ٹرکی کے

بادشاہ سے بھی خط و کتابت کر رہا تھا اور مسلمان بادشاہوں کو لکھ رہا تھا کہ اگر ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کی عظمت چلی گئی تو عیسائیت غالب آجائے گی اور پھر عیسائیت کے غلبہ سے تمہیں بھی نقصان پہنچے گا۔ تم جو بھی شرطیں طے کرو، مجھے سب منظور ہیں۔ لیکن آؤ اس موقع پر ہم متحد ہو کر عیسائیت کو اس ملک سے نکال دیں۔ اس وقت کسی کی غیرت جوش میں نہ آئی اور کوئی بادشاہ اس کی مدد کے لئے نہ اٹھا۔ نپولین اپنے سیاسی مصالح کے ماتحت اس کی مدد کے لئے آنے پر تیار ہوا لیکن خود مسلمانوں نے اسے شام میں شکست دے دی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر نپولین آتا تو وہ اچھا سلوک کرتا۔ ممکن ہے وہ انگریزوں سے بھی بدتر سلوک کرتا لیکن سلطان ٹیپو نے اس سے بھی دریغ نہیں کیا کہ وہ نپولین کو اپنی مدد کے لئے بلائے۔ جب حیدر آباد اور دوسری مسلمان ریاستوں کی مدد سے انگریزی فوج ٹیپو پر غالب آگئی تو آخر سلطان ٹیپو اپنے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ایک دن امراء میں سے بعض نے انگریزوں سے رشوت لے کر اس قلعہ کا دروازہ کُھلوا دیا۔ وہ ایک جگہ فصیل کے پاس کھڑا انگریزی فوجوں سے اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ خندق پاس تھی اور وہ اپنے سپاہیوں کو مختلف احکام دے رہا تھا کہ اس کا ایک جانباز سپاہی دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا حضور! کسی غدار نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا ہے اور ایک بہت بڑی انگریزی فوج آپ کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اب ایک ہی صورت نکلتی ہے کہ آپ کسی طرح جان بچا کر یہاں سے نکل جائیں۔ اُس وقت ٹیپو نے نہایت ہی حقارت اور غصہ کی نگاہ سے اسے دیکھا اور کہا کیا فضول مشورہ دیتے ہو!! ایک شیر کی دو گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ کہا اور تلوار کھینچ کر میدان میں کُود پڑا اور وہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

درحقیقت بات یہی ہے کہ ہر غیرت مند انسان کی ایک گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان کے ایک شکست خوردہ مسلمان بادشاہ اسلام کی عزت بچانے کے لئے ایک گھنٹہ کی موت کو سو سال کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے تو وہ کیسا احمدی ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ میری چالیس یا پچاس یا ساٹھ یا سو سال کی زندگی جس میں مَیں نوکری اور دوسروں کی غلامی کے سوا کوئی اَور کام نہیں کر سکوں گا، وہ اسلام کے لئے مر جانے سے زیادہ بہتر ہے۔ یقیناً ایسا انسان نادان ہے۔ یقیناً وہ مجنون ہے۔ یقیناً اس کی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے اور

یقیناً اسلام کی راہ میں ایک منٹ لڑتے لڑتے مر جانا انسان کی اس سو سالہ زندگی سے لاکھوں اور کروڑوں بلکہ اربوں گُنا زیادہ بہتر ہے جو کسی اَور کام میں صَرف ہو۔ اور یہ کام ایسا نہیں جو ہماری جماعت نہ کر سکے۔ سینکڑوں نوجوان ہیں جنہوں نے اسلام کے لئے اپنی زندگیاں پیش کر کے اس بات کا ثبوت مہیا کر دیا ہے کہ یہ کام ہماری طاقتوں اور قوتوں کے اندر ہے اور ہمارے اخلاص اور ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم ان قربانیوں میں حصہ لیں۔ اگر سینکڑوں نوجوان ایک کام کر سکتے ہیں تو وہ سینکڑوں اور ہزاروں نوجوان کیوں ایسا نہیں کر سکتے جو ابھی اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکے۔ پروانے آگ میں جلتے چلے جاتے ہیں مگر بعد میں آنے والے پروانے پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ وہ اَور زیادہ جوش اور زیادہ زور کے ساتھ آگ میں گرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کیا انسان ہی ایسے گندے مقام پر ہے کہ قربانی کرنے والوں کی قربانی کو دیکھ کر اس میں جوش پیدا نہیں ہوتا اور وہ اس سے بھی زیادہ جوش سے آگے نہیں بڑھتا جس جوش سے ایک پروانہ آگ کی طرف بڑھتا ہے۔ پھر صرف امریکہ کا ہی سوال نہیں اَور ممالک میں بھی جوں جوں ہمارے مبلغ جا رہے اور تبلیغ کے راستے کُھل رہے ہیں ہمیں اس بات کی ضرورت محسوس ہو گی کہ ہم ان کی طرف زیادہ سے زیادہ مبلغین بھجوائیں اور ان کے مطالبات کو پورا کریں۔ ابھی پرسوں تار آیا ہے کہ ہمارے وہ مبلغ جو فرانس کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور جو انگلستان میں اب تک ویزا کا انتظار کر رہے تھے ان کو فرانسیسی گورنمنٹ نے ویزا دے دیا ہے اور وہ چند دنوں میں ہی فرانس کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ہم نے فرانس میں دو مبلغ بھیجے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا فرانس جیسے ملک میں دو مبلغ کافی ہو سکتے ہیں؟ وہ فلسفہ کا ملک، وہ دہریت کا ملک، وہ عیاشی کا ملک جن کی راتیں بھی دن ہوتی ہیں اور جن کے دن تو کچھ ایسی چیز ہوتے ہیں جن کو ہم پہچان بھی نہیں سکتے۔ ان کی اصلاح اور بیداری کے لئے دو مبلغ کیا کام کر سکتے ہیں۔ مَیں نے پیرس دیکھا ہوا ہے اور مَیں نے پیرس کا وہ میدان بھی دیکھا ہے جس کا نام پیرس کے لوگوں نے شانزالیزا (Shanzelize) یعنی جنت کی گلی رکھا ہوُا ہے۔ واقع یہ ہے کہ اگر کسی انسان کی آنکھیں بند کر کے اس کو اس میدان میں لایا جائے اور اس کے بعد اس کی آنکھوں پر سے پٹی اتار دی جائے تو تاریک ترین رات کے نصف میں سے گزرتے

ہوئے بھی اس کے واہمہ میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اس وقت رات ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ دن ہے کیونکہ ہزاروں ہزار کینڈل پاور کے ہزاروں ہزار لیمپ جل رہے ہوتے ہیں اور کسی انسان کے واہمہ میں بھی نہیں آسکتا کہ مَیں اس وقت رات میں سے گزر رہا ہوں۔ جن لوگوں نے اپنے آرام اور اپنی آسائش اور اپنی عشرت کے لئے ایسے ایسے سامان مہیا کئے ہوئے ہیں، ان کو جگانے کے لئے دو آدمی کہاں کافی ہو سکتے ہیں۔ یقیناً جب یہ مبلغ وہاں جائیں گے تو ہم سے اَور آدمی مانگیں گے، پھر اَور آدمی مانگیں گے، اور پھر اَور آدمی مانگیں گے۔ اس کے علاوہ اٹلی میں ہمارے دو مبلغ پہنچ چکے ہیں۔ ہمارا پہلا مبلغ جو اٹلی میں مقیم تھا وہ بیمار پڑا ہے کیونکہ ٹکر لگ کر اس کی آنکھ پر چوٹ آئی تھی جس سے اس کی بینائی کو صدمہ پہنچا۔ اب سنا ہے اس کی بینائی درست ہو گئی ہے اور وہ خطرے سے نکل گیا ہے لیکن ابھی کام نہیں کر سکتا۔ ایک تار میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی نو مسلم نے ہالینڈ میں اس بات کا انتظام کیا ہے کہ شمس صاحب ہالینڈ جا کر کچھ دن رہ سکیں۔ ہم نے تین مبلغ جرمنی کے لئے مقرر کر کے یہاں سے بھجوائے ہوئے ہیں مگر چونکہ جرمن مشن قائم کرنے میں ابھی کچھ دیر ہے اور ہالینڈ میں فوری طور پر ضرورت محسوس ہوئی ہے اس لئے مَیں نے ہدایت بھجوا دی ہے کہ جرمنی کے مبلغوں میں سے دو مبلغ ہالینڈ چلے جائیں۔ جرمنی کی فوجی طور پر ابھی اس طرح نگرانی کی جا رہی ہے کہ غیروں کو وہاں جانے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔ کہتے ہیں مختلف سوسائٹیوں کی طرف سے ہزاروں ہزار درخواستیں گورنمنٹ کے پاس آئی ہوئی ہیں مگر ابھی تک اس نے کسی درخواست پر غور نہیں کیا۔ پس چونکہ ہمارے وہ مشنری جو جرمنی کے لئے تجویز کئے گئے تھے ابھی لندن میں ہیں اور وہ رستہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے مَیں نے اس تار کے پہنچنے پر کہ ہالینڈ میں انتظام کیا جا چکا ہے انہیں تار بھجوا دیا ہے کہ جرمنی کے مشنریوں میں سے فِی الْحال دو کو ہالینڈ بھجوا دیا جائے۔ کیونکہ ہالینڈ کے مشن کا انڈونیشیا یعنی جاوا اور سماٹرا سے بھی گہرا تعلق ہے۔ جاوا اور سماٹرا میں ہماری ہزاروں کی جماعت ہے اور چونکہ ہالینڈ کی تبلیغ کا سماٹرا اور جاوا پر اس طرح اثر ہو سکتا ہے جس طرح انگلستان کی تبلیغ کا ہندوستان پر اثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے مَیں نے ہدایت دے دی ہے کہ سرِ دست جرمنی کے مبلغ ہالینڈ چلے جائیں۔ پھر جب نئے مبلغ مہیا ہو جائیں گے تو ان کو

جرمنی بھجوا دیا جائے گا۔ مگر یہ کہنا تو آسان ہے لیکن نئے مبلغین کا مہیا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نئے مبلغ کہاں سے آئیں گے؟ اگر ہمارے نوجوانوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر دین کی بھٹی میں گر کر جل جانے کی خواہش پیدا نہیں ہو گی اور اگر وہ یکے بعد دیگرے اس جہاد کے میدان میں اس طرح کُودتے ہوئے نہیں چلے جاتے کہ ہر شخص کو یہ محسوس ہو کہ ان کے نزدیک موت اور حیات بالکل یکساں چیز ہے تو یہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔

دیکھو کفر کے لئے بھی لوگوں نے جو قربانیاں کی ہیں وہ کچھ کم نہیں۔ جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی تمام یورپین ممالک سے لڑائی کر رہا تھا، جس وقت جرمنی اور انگلستان اور فرانس اور آسٹریا اور اٹلی اور یونان وغیرہ سارے ملکوں کی فوجیں شام میں جمع ہو گئیں اور اکیلے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر رہی تھیں۔ جس کا ملک اتنا ہی تھا جتنی ہندوستان کی ایک ریاست ہوتی ہے مگر وہ انسان اپنی جانوں پر کھیل جانے والے تھے۔ وہ انسان ایمان کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے والے تھے۔ ایک تن تنہا چھوٹی سی ریاست پر سارے یورپ کی فوجوں نے حملہ کر دیا اور صرف یورپین فوجیں ہی نہیں بلکہ یورپ کے بادشاہ بھی وہاں چلے گئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ سب متحد ہو کر اسلام کو کچل ڈالیں۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ 3 اور فرانس کا بادشاہ فلپ بھی وہاں جا پہنچا۔ اسی طرح جرمنی، آسٹریلیا، اٹلی اور یونان وغیرہ کے سب گرینڈ ڈیوک (Grand Duke) بھی وہاں جا پہنچے۔ انگلستان کا بادشاہ چاہتا تھا کہ یہ فتح میرے نام پر ہو اور فرانس کا بادشاہ چاہتا تھا کہ یہ فتح اس کے نام پر لکھی جائے لیکن خدا چاہتا تھا کہ یہ فتح صلاح الدین ایوبی کے نام پر لکھی جائے اور آخر وہی ہوا جو ہمارے خدا نے چاہا۔ یورپ کی فوجیں شکست کھا کر واپس لَوٹیں اور وہ اپنے ارادوں میں بری طرح ناکام رہیں۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ان ایام میں جب فلپ نے دیکھا کہ رچرڈ کا زور بڑھتا چلا جا رہا ہے تو اس نے اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے قرامطہ کے بادشاہ سے سمجھوتہ کیا کہ ہم دونوں مل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ چونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی سنّی بادشاہ تھا اور قرامطہ شیعوں میں سے ایک بگڑی ہوئی قوم تھی جو مصر کے فاطمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا

اور چاہا کہ سلطان صلاح الدین کے خلاف فلپ کے ساتھ مل جائیں اور اس کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ انہوں نے خیال کیا کہ اس کو شکست دینے کے بعد ہمارا علاقہ اور ہمارا اثر اَور زیادہ وسیع ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں معاہدہ کیا اور آخری شرطیں طے کرنے کے لئے فلپ اور قرامطہ کا امام دونوں ایک پوشیدہ پہاڑی مقام پر جمع ہوئے۔ وہ قرامطہ کا ہی ایک قلعہ تھا جس میں فلپ قرامطہ کے امام سے ملنے کے لئے آیا۔ جب دونوں اکٹھے ہوئے تو فلپ نے قرامطہ کے امام سے کہا آپ کو پتہ ہے مَیں فرانس کا بادشاہ ہوں اور اپنے ساتھ بہت بڑی فوجیں رکھتا ہوں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ کے پاس کتنی طاقت ہے جس کے ذریعہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے میں آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ چونکہ ہم اس وقت آپس میں معاہدہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اس لئے مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ میں کتنی طاقت ہے۔ قرامطہ کے امام جس محل میں بیٹھے ہوئے تھے اس کے چاروں طرف جیسے بورڈنگ تحریک جدید کی عمارت ہے اس طرز کی عمارت تھی۔ کئی منزلہ مکانات تھے اور ہر منزل پر کھڑکیوں اور دروازوں کے چھجوں پر ننگی تلواریں لئے سپاہی پہرہ دے رہے تھے گویا نیچے سے اوپر تک جس قدر منزلیں تھیں ان میں سے ہر منزل کے ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے آگے ایک ایک چھجہ تھا اور ہر چھجہ پر ایک ایک سپاہی ننگی تلوار لئے کھڑا تھا۔ جب فلپ نے کہا مَیں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی کیا طاقت ہے اور آپ میری کتنی مدد کر سکتے ہیں تو قرامطہ کے امام نے کہا آپ میری طاقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اوپر آنکھ اٹھائی اور دو سپاہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو اوپر کی منزل پر پہرہ دے رہے تھے اپنے سر کو نیچے جھکا دیا۔ اس کا اپنے سر کو نیچے جھکانا تھا کہ ان دونوں سپاہیوں نے نیچے چھلانگ لگا دی اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ فلپ نے یہ نظارہ دیکھا تو قرامطہ کے امام نے کہا شاید آپ کو خیال ہو کہ ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ نیچے گرنے کا کیا نتیجہ ہو گا اور انہوں نے شاید نادانی سے موت قبول کر لی۔ اگر ان کو علم ہوتا کہ ہم نیچے گِر کر ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا نہ کرتے۔ مَیں اس شبہ کا بھی ازالہ کرنا چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کو میری ذات سے کتنا اخلاص ہے۔ یہ کہہ کر اس نے پھر اوپر کی ایک کھڑکی کی طرف اپنی آنکھ اٹھائی اور دو سپاہیوں کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے اپنے سر کو نیچے جھکا دیا۔ اس کا سر جھکانا تھا کہ پھر دو سپاہی گرے اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ فلپ اس نظارہ سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس کا دل گھٹنے لگا اور اس نے کہا مَیں اس وقت بیٹھ نہیں سکتا پھر کسی وقت آپ کی ملاقات کے لئے آؤں گا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں ایمان نہیں تھا محض ایک بناوٹ تھی اور اسلام کے اندر رخنہ ڈالنے کے لئے شیطانی تدابیر سے انہوں نے ایک جماعت قائم کی تھی مگر ان لوگوں کے اندر بھی اتنا جوش تھا کہ اپنے امام کے ایک اشارہ پر وہ اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کیا ایک احمدی کو اس سے کم قربانی دکھا کر اپنے دعویٰ ایمان کو ثابت کرنے کا یقین ہو سکتا ہے؟ اگر قرامطہ صرف فلپ کو یقین دلانے کے لئے اپنی جانیں دے سکتے ہیں تو کیا ہم اسلام کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ جوش اور اخلاص کے ساتھ اپنی جانیں نہیں دے سکتے؟

بہر حال اب فرانس میں بھی ہمارے مبلغ جا رہے ہیں۔ پچھلے مہینے اٹلی میں ہمارا مشن قائم ہوا تھا اس مہینہ فرانس میں قائم ہو گیا اور خدا تعالیٰ چاہے تو ہالینڈ میں بھی قائم ہو جائے گا۔ پھر سپین اور دوسرے ممالک میں ہمارے مبلغین جائیں گے اور ہر ملک جہاں ہمارے مبلغ جائیں گے وہاں سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے مانگ آنی شروع ہو جائے گی۔ اس وقت سب سے زیادہ مانگ جہاں سے آ رہی ہے اور جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ کچھ عرصہ تک یہ مانگ برابر بڑھتی چلی جائے گی وہ افریقہ کا ملک ہے۔ وہاں ترقی کے ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ جو اندازہ ہم کرتے ہیں وہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ ابھی ہمارے نئے مبلغوں کے جانے پر وہاں سے رپورٹ آئی ہے کہ ان مبلغین کو ایسے علاقوں میں بھجوایا جا رہا ہے جہاں احمدی تو دیر سے موجود تھے مگر ان میں کوئی تنظیم نہیں تھی۔ ایسے ہی ایک علاقہ میں ہمارے ایک مبلغ مولوی عبد الخالق صاحب روانہ کئے گئے ہیں۔ گولڈ کوسٹ کے ملک میں جہاں کے علاقہ کی رپورٹ ہے دو بڑی قومیں ہیں ایک اشانٹی اور دوسری فینٹی۔ جہاں تک لڑائی جھگڑے اور طاقت کا سوال ہے اشانٹی والے زیادہ مضبوط ہیں اور فینٹی قوم کے لوگ کمزور ہیں۔ جب بھی کوئی لڑائی ہوتی ہے اشانٹی قوم والے جیت جاتے ہیں اور فینٹی قوم والے ہار جاتے ہیں۔ ہماری جماعت کا مرکز فینٹی قوم میں ہے اور مرکزی انجمن میں بھی زیادہ تر اسی قوم کے لوگ شامل ہیں۔

اشانٹی علاقہ شمال میں فرانسیسی علاقہ سے ملتا ہے اور اس پر عربی اثر بھی ہے۔ وہ لوگ سارے کے سارے حبشی ہیں بلکہ عرب آمیزش سے ایک ایسا طبقہ بھی ان میں موجود ہے جس کی شکلیں عرب لوگوں سے ملتی جلتی ہیں۔ ان لوگوں میں زیادہ تر بُت پرست ہیں۔ پرسوں مولوی عبد الخالق صاحب کا مجھے خط آیا کہ مَیں اس علاقہ میں گیا تو لاری کے پہنچنے سے قبل ہی بہت سے لوگ ہجوم کر کے جمع تھے۔ جب میری لاری پہنچی تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ مَیں حیران ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اتنے میں یکدم انہوں نے پوچھا کہ ہمارا مبلغ کہاں ہے؟ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ احمدیہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مجھے ایک مکان پر لے گئے، بڑی عزت سے ٹھہرایا اور ایک گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ آخر انہوں نے کہا کہ "اوہان ہن" سے بھی آپ مل لیں۔ مَیں نے کہا" اوہان ہن" کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ "اوہان ہن" ہمارے ملک کا بادشاہ ہے۔ مَیں نے کہا۔ بادشاہ کیا؟ یہ تو انگریزی علاقہ ہے۔ مگر بہر حال مَیں نے کہا بہت اچھا مَیں ان سے مل لیتا ہوں۔ جب مَیں اس کے محل پر پہنچا تو اس نے میرا استقبال کیا۔ درمیان میں ترجمان بیٹھ گیا اور ہم باتیں کرتے رہے۔ بعد میں مَیں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ انگریزوں نے اشانٹی قبائل والوں کو تلوار کے زور سے فتح نہیں کیا جب باقی ملک انہوں نے فتح کر لیا تو اشانٹی والوں نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ قانون ان کا اپنا چلتا ہے، مجسٹریٹ ان کے اپنے ہوتے ہیں اور زمین بھی ان کی اپنی ہے۔ انگریزوں کا براہِ راست کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس جگہ پر سب سے زیادہ کثرت بُت پرستوں کی ہے۔ دوسرے نمبر پر عیسائی ہیں اور تیسرے نمبر پر مسلمان ہیں۔ گویا بُت پرستوں اور عیسائیوں کی کافی تعداد ہے لیکن مسلمان کمزور ہیں۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا گولڈ کوسٹ کے علاقہ میں عیسائیوں نے ایک بہت بڑی میٹنگ کی تھی جس میں اس بات پر بہت زور دیا گیا تھا کہ مسلمانوں نے باقی علاقوں میں بہت بڑی تنظیم کر لی ہے۔ اب شمال کے علاقوں میں ہمیں متحدہ حملہ کر دینا چاہئے تاکہ احمدیوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے ہم سب علاقہ کو عیسائی بنالیں۔ پہلے وہاں صرف رومن کیتھولک والوں کا مشن تھا مگر اب تو اور بھی بہت سے عیسائی مشن کھل چکے ہیں اور سب نے مل کر اسلام پر دھاوا بول دیا ہے۔

عیسائی اپنی ان کوششوں میں مشغول ہی تھے کہ ہمارے مبلغ عیسائیت کے زہر کے ازالہ کے لئے پہنچ گئے۔ اس علاقہ میں چھوٹے چھوٹے گاؤں ہوتے ہیں۔ کوئی پانچ گھر کا، کوئی دس گھر کا، کوئی بیس گھر کا، کوئی پچاس گھر کا۔ جہاں "اوہان ہن" رہتا ہے وہ بھی ایک معمولی قصبہ ہے۔ مگر مولوی عبدالخالق صاحب لکھتے ہیں مَیں نے دیکھا کہ اس قصبہ میں مسلمانوں کی تو صرف ایک مسجد ہے اور وہ بھی بہت شکستہ اور خراب حالت میں لیکن عیسائیوں کے اس چھوٹے سے گاؤں میں چھ بڑے بڑے شاندار گرجے ہیں جو لوگوں کی طبائع پر بہت بڑا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایک معمولی قصبہ میں جب اتنے زیادہ گرجوں کو مَیں نے دیکھا تو مجھ پر گہرا اثر پڑا اور مَیں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں کہ یا اللہ! اس ملک میں عیسائیوں نے اتنا قبضہ جما لیا ہے کہ اب ان کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں۔ یہ وہ ملک ہے جس پر پہلے مسلمانوں کا قبضہ تھا اور مسلمانوں نے ہی اس کو فتح کیا لیکن آج چاروں طرف عیسائیت ہی عیسائیت پھیل رہی ہے۔ مَیں حیران ہوں کہ اس کا کس طرح مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں رات جب مَیں سویا تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں اپنے قصبہ واقع ضلع گجرات میں ہوں اور ہمارا مزارع آ کر کہتا ہے کہ کیکر پھر نکل آیا ہے۔ مَیں اس سے کہتا ہوں کہ اب کی دفعہ کیکر کو اس طرح جڑ سے کاٹو کہ وہ پھر نہ نکل سکے۔ اس سے مجھے خیال پیدا ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سامان کر دے جس سے عیسائیت کمزور ہو جائے اور اسلام کی ترقی کے آثار اس ملک میں ظاہر ہو جائیں۔ پھر مَیں اَور علاقوں میں گیا تو دورہ کرتے ہوئے مَیں نے ہر جگہ یہی دیکھا کہ عیسائیت کا زور ہے اور وہ جگہ جگہ اپنے سکول اور مشن قائم کر کے اسلام کی اشاعت میں روکیں پیدا کر رہے ہیں۔ اس پر میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں زمین دے دے تو ہم اس جگہ اپنی ایک یونیورسٹی قائم کر دیں۔ اور جس طرح پرانے زمانے میں مسلمانوں نے یہاں یونیورسٹی بنائی تھی اور ہزاروں طلباء اس یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرتے تھے اُس طرح ہم بھی ایک ایسی یونیورسٹی قائم کر دیں جہاں اسلام کے مبلغ تیار ہوا کریں اور وہ اس یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کر کے سارے علاقوں میں پھیل جایا کریں۔ یہ خیال مجھ پر اس قدر غالب آ گیا کہ جب مَیں باہر گیا تو پھر مَیں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنی شروع کر دیں اور آخر یہ

خیال مجھ پر اس قدر غالب آتا چلا گیا کہ مَیں اس کے اظہار سے رُک نہ سکا۔ مَیں نے کہا کہ بے شک آج ہمارے پاس سامان کم ہیں اور احمدی بہت کمزور ہیں۔ لیکن کیا کوئی صورت ایسی نہیں ہو سکتی کہ ہمیں آج زمین کا ایک وسیع ٹکڑا مل جائے جس پر کسی آئندہ زمانے میں ہم ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھ سکیں؟ چنانچہ مَیں نے اپنے ترجمان سے کہا کہ آج تو ہماری طاقت نہیں کہ ہم کوئی یونیورسٹی قائم کر سکیں لیکن اگر آج ہمیں زمین کا کوئی وسیع ٹکڑا مل جائے تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ کسی وقت ہم اپنی یونیورسٹی قائم کر لیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہمیں اس غرض کے لئے زمین مل جائے؟ اس نے کہا کیوں نہیں۔ آپ "اوہان ہن" سے ملیں اور اپنی اس خواہش کا اظہار کریں۔ وہ بادشاہ ہے اور آپ کو اس غرض کے لئے زمین دے سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا وہ دے دے گا۔ آپ اس سے ذکر کریں۔ وہ علاقے گو چھوٹے چھوٹے ہیں مگر خواہ دس مربع میل کا کوئی حاکم ہو، وہ اپنے علاقہ میں بادشاہت کے اختیارات رکھتا ہے۔ اس علاقہ کا اوہان ہن احمدی ہو چکا ہے۔ اس کا باقی خاندان تو سب کا سب بُت پرست ہے لیکن وہ خود احمدی ہے۔ ترجمان نے مجھ سے کہا کہ آپ اس سے کہیں وہ ضرور زمین دے گا۔ چنانچہ دوسرے دن ہم مل کر اس کے پاس گئے اور مَیں نے کہا۔ میرے دل میں خیال آیا ہے کہ اگر آج ہمیں یہاں زمین کا کوئی ٹکڑا مل جائے تو آئندہ کسی وقت ہم اس پر اپنی عمارتیں کھڑی کر کے سکول قائم کر دیں اور پھر رفتہ رفتہ اس سکول کو وسیع کرتے جائیں لیکن ہمارے پاس عمارتوں کے لئے فوری طور پر کوئی سامان نہیں۔ اگر زمین ہو گی تو جماعت کو تحریک ہوتی رہے گی کہ اس زمین کو آباد کیا جائے۔ اور پھر ممکن ہے آج سے چالیس یا پچاس سال کے بعد اس پر ہم عمارتیں کھڑی کر لیں۔ میری خواہش ہے کہ اس وقت ہمیں زمین مل جائے۔ عمارتیں وغیرہ ہم بعد میں بنالیں گے۔ کیا آپ اس بارہ میں کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ اس نے کہا۔ ہاں۔ مَیں اس غرض کے لئے آپ کو زمین دے سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دوسرے ہی دن اپنے کونسلروں کو بلوایا اور ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ اتنے میں ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ اس کے مشیروں نے کہا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ بے شک انہیں زمین دے دی جائے۔ چنانچہ وہ اس وقت ہمیں ساتھ لے گئے۔ وہاں ایک نالا بہتا ہے جس کے قریب بہت عمدہ زمین ہے اور

ہوسا قوم جو اسلام کی تبلیغ کرنے والی ہے اس کی بھی وہاں بستیاں ہیں۔ انہوں نے وہاں جا کر ایک مربع میل یعنی پونے آٹھ سَو ایکڑ زمین ہمیں دے دی۔ مَیں نے پھر کہا کہ آپ نے جو یہ زمین دی ہے اس کے متعلق یہ امر یاد رکھیں کہ ہم اسے فوراً آباد نہیں کر سکیں گے۔ معلوم نہیں آج سے چالیس یا پچاس سال کے بعد ہم اس زمین کو آباد کریں۔ سرِ دست ہمارے پاس کوئی روپیہ نہیں جس سے ہم اس زمین پر اپنی عمارتیں کھڑی کر سکیں اس لئے اگر اس زمین کو آباد کرنے میں ہماری طرف سے دیر ہو تو آپ ہمیں طعنہ نہ دیں۔ وہ کہنے لگا مَیں یہ زمین اب احمدیہ جماعت کو دے چکا ہوں۔ آپ خواہ پچاس سال کے بعد اس پر کوئی عمارت بنوائیں یا سو سال کے بعد۔ اب زمین آپ کی ہو چکی۔ چنانچہ مولوی عبد الخالق صاحب نے لکھا ہے کہ سرکاری طور پر کاغذات تیار کئے جا رہے ہیں جب مکمل ہو گئے تو قبالہ<u>4</u> قادیان بھیج دوں گا۔

اب بظاہر حالات خدا تعالیٰ نے وہاں ہماری ترقی کا ایک سامان پیدا کر دیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے متعلق بعد میں کیا صورت رونما ہو۔ ممکن ہے حکام کو پتہ لگے تو انگریزی حکومت زور دے کر اس حکم کو منسوخ کرا دے لیکن بظاہر اوہان ہن نے اس بارہ میں قطعی فیصلہ کر دیا ہے، نشانات لگائے جا رہے ہیں اور انسپکٹروں سے اس نے کہہ دیا ہے کہ تین چار دن کے اندر اندر نشان لگا کر کاغذات کو سرکاری لحاظ سے مکمل کر دیا جائے اور میرے دستخط بھی کروا لئے جائیں اور پھر ان کو قبالہ دے دیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب اس علاقہ میں زمین لے لی گئی تو لازماً کچھ عرصہ کے بعد ہمیں وہاں عمارتیں بھی بنانی پڑیں گی، سکول بھی جاری کرنا پڑے گا اور پھر سکول کے لئے اور علاقہ کی تبلیغ کے لئے ہمیں مدرّس بھی بھجوانے پڑیں گے اور مبلغ بھی بھجوانے پڑیں گے۔ اگر وہاں کے لوگ ناواقف ہوتے ہوئے اور بُت پرستوں میں سے نووارد احمدی ہوتے ہوئے یہ قربانی کر سکتے ہیں تو کیا ہم ان کو یونہی چھوڑ دیں گے؟ اگر ان لوگوں کے اندر اسلام کی ترقی کا درد ہے تو ہمارے اندر کیوں نہیں ہو گا؟ اور اگر وہاں کے لوگ اسلام اور احمدیت کے لئے قربانی کر رہے ہیں تو ہمیں ان سے بہت زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ پس افریقہ میں جس قدر مبلغ پہلے بھجوائے جا چکے ہیں ان سے کئی گُنا زیادہ مبلغین کی ہمیں اس ملک کے لئے ضرورت ہے۔ افریقہ کے علاقہ میں ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ

انٹرنس(Entrance) پاس نوجوان بھی وہاں کام دے سکتے ہیں، گریجوایٹوں اور ایم اے پاس لوگوں کی ضرورت نہیں۔ کچھ مولوی فاضلوں کی بے شک ضرورت ہے لیکن زیادہ مولوی فاضلوں کی نہیں۔ ہر علاقہ میں اگر دو دو تین تین مولوی فاضل ہو جائیں تو کافی ہیں۔ باقی سب جگہوں میں معمولی عربی پڑھے ہوئے نوجوان بھی کام دے سکتے ہیں اور انٹرنس پاس بھی کام دے سکتے ہیں۔ بہر حال مَیں سمجھتا ہوں قریب ترین عرصہ یعنی دو تین سال میں ہی ہمیں ڈیڑھ دو سو آدمی وہاں رکھنے پڑیں گے۔ اس وقت بارہ کے قریب مبلغ وہاں پہنچ چکے ہیں۔ ایک گریجوایٹ کو ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے افریقہ بھجوا دیا جائے گا جہاں وہ سینئر کیمبرج سکول یا میٹرک سکول قائم کرے گا اور یہ سکول گولڈ کوسٹ کے علاقہ میں قائم کیا جائے گا کیونکہ ہماری سب سے زیادہ جماعت اس جگہ ہے۔ مگر یہاں پھر وہی آدمیوں کا سوال آ جاتا ہے اور ایک ایک قدم پر یہ سوال ہمارے سامنے آئے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ روپیہ کا سوال بھی ہمارے سامنے آتا ہے مگر روپیہ کا سوال ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر سچا اخلاص اور دین کا حقیقی جوش رکھنے والے لوگ موجود ہوں تو روپیہ کا سوال خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو آخر کون خرچ دیا کرتا تھا؟ آپ نے ان سے یہی کہا کہ جاؤ تبلیغ کرو اور جب بھوک لگے تو لوگوں سے مانگ کر کھا لیا کرو۔ بدھ نے بھی اپنے پیروؤں کو یہی تعلیم دی کہ کشکول اٹھاؤ، خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ اور جب کھانے کا وقت آئے تو لوگوں سے اپنے لئے کھانا مانگو اور کھاؤ۔ تم ان کا کام کرتے ہو۔ کیا ان کا فرض نہیں کہ وہ تمہاری ضرورت کو پورا کریں اور تم کو کھانا کھلائیں؟ پس حقیقت یہ ہے کہ جب اخلاص سے کام لیا جائے تو روپیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اصل سوال آدمیوں کا ہے۔ روپیہ ایک تابع چیز ہے اگر مل جائے تو اس سے اپنے کام کو وسیع کیا جا سکتا ہے لیکن اگر روپیہ پاس نہ ہو تو اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ تبلیغ کو بند کر دیا جائے کیونکہ تبلیغ روپیہ کی محتاج نہیں۔ تبلیغ کے لئے ایمان اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ اگر روپیہ ہو گا تو ہم اپنے مبلغوں کو روپیہ دے دیں گے اور اگر روپیہ ہمارے پاس نہیں ہو گا تو حضرت مسیحؑ کی طرح ہم انہیں یہی کہیں گے کہ جاؤ اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی بادشاہت کی خبر دو۔ اور جب تمہیں بھوک لگے تو لوگوں سے روٹی مانگو

اور کھاؤ۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم انہیں خدا تعالیٰ کی بادشاہت کی خبر دو۔ اور ان کا کام یہ ہے کہ وہ تمہارا پیٹ بھر دیں۔ یہ سودا ان کے لئے بہرحال سَستا ہو گا کیونکہ جو کچھ وہ دیں گے وہ ایک حقیر اور ذلیل چیز ہو گی۔ اگر دو روٹیاں وہ ایک مبلغ کے پیٹ میں نہ ڈالتے تو وہ سڑ جاتیں یا کُتّا ان کو کھا جاتا۔ لیکن اگر ان کو یہ روحانی تعلیم نہ ملتی اور وہ اس حالت میں مر جاتے تو دوزخ میں جاتے۔

پس آدمی اور آدمی اور آدمی، ساری دنیا کے کناروں سے یہی آواز آ رہی ہے کہ ہماری طرف آدمی بھیجو، ہماری طرف آدمی بھیجو، ہم تھوڑے ہیں مگر اتنے تھوڑے نہیں کہ ان ضرورتوں کو پورا نہ کر سکیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے اندر ایمان ہو، ہمارے اندر اخلاص ہو، ہمارے اندر تقویٰ ہو اور ہمارے دلوں میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ ہو۔ اگر ایمان اور اخلاص اور تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی رضا کا حصول ہر وقت ہمارے مد نظر ہو اور ہمارا دین اور دنیا کا کوئی کام بھی ان سے خالی نہ ہو تو پھر آدمی ہی آدمی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہمارے اندر تقویٰ نہ ہو تو ہماری ایسی ہی مثال ہو گی جیسے ایک انگریز شاعر نے کہا کہ:

Water water Every where
and not a drop to drink

پانی، پانی، چاروں طرف پانی ہے مگر پینے کے لئے ایک قطرہ بھی نہیں۔ ایک شخص سمندر میں بہتا چلا جا رہا تھا اور چونکہ سمندر کا پانی پینے کے ناقابل ہوتا ہے اس نے کہا میرے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے مگر پینے کے لئے ایک قطرہ بھی میرے پاس نہیں۔ یہی حالت نَعُوْذُ بِاللہ ہماری ہو گی کہ ہمارے چاروں طرف آدمی ہی آدمی ہوں گے مگر کام کے آدمی ہمیں میسر نہیں ہوں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے مَیں امید کرتا ہوں کہ وہ خدا جس نے ہمیں سہارا دیتے ہوئے اس حد تک پہنچایا ہے کہ ایک بیج سے اس نے لاکھوں درخت پیدا کر دیئے ہیں وہ اس تاریکی اور ظلمت کے وقت میں جبکہ کام کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور ہمیں چھوڑے گا نہیں۔ بلکہ وہ خود لوگوں کے دلوں میں اخلاص اور ان کے دماغوں میں فکرِ صحیح پیدا کرے گا؟ اور جماعت کے لوگوں کو ہمت بخشے گا کہ وہ آگے بڑھ کر اس

مَقْتَل میں جہاں خدا تعالیٰ کے عشّاق اور دین کے خدام شہید کئے جاتے ہیں اپنی گردنیں رکھتے چلے جائیں گے۔ اور یہ پروا نہیں کریں گے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔ کیونکہ ہر شخص پورے یقین اور وثوق کے ساتھ اس ایمان پر قائم ہوگا کہ میرا آخری مقام بجز خدا تعالیٰ کی گود کے اَور کوئی نہیں ہوسکتا۔" (الفضل 8 مئی 1946ء)

1: شیلانگ: بھارت کے شمال مشرقی صوبہ آسام کا دارالخلافہ۔

2: ارکاٹ: مشرقی وسطی مدراس کا قصبہ۔ اٹھارھویں صدی میں جنوبی ہند پر غلبے کے لئے فرانس اور انگلستان کی کشمکش میں اس شہر کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔
(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد 1 صفحہ 88۔ لاہور 1987ء)

3: رچرڈ: (Richard 1) 1157ء - 1199ء
1189ء سے وفات تک انگلستان کا بادشاہ رہا۔ 16 سال کی عمر میں رچرڈ نے اپنی فوج کی کمانڈ کرتے ہوئے اپنے والد، بادشاہ ہنری دوم کے خلاف ہونے والی بغاوت کو کچلا، تیسری صلیبی جنگ کے دوران مرکزی عیسائی کمانڈر تھا۔
(Wikipedia the free Encylopedia " Richard 1 of England")

4: قبالہ: بیع نامہ